کتاب میلہ اور مشاعرے ایک ہی ہم [illegible] ثقافتی [illegible]

نثار احمد، کاوش [illegible]

حضرت مولانا سراج الساجدینؒ خطابت اور نعت گوئی کے آئینے میں

مولانا محمد مطیع اللہ نازش، نائب صدر، جمعیۃ علماء اڑیسہ

(پہلی قسط)

کالجوں، اکاڈمیوں اور یونیورسٹیوں میں سیمینار اور سمپوزیم کا انعقاد تو ہوتا رہتا ہے، مگر آج سے پہلے اڑیسہ کے کسی مدرسہ میں کسی موضوع پر کبھی کوئی سیمینار یا سمپوزیم کا انعقاد عمل میں نہیں آیا۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ آج اڑیسہ کی 70 سالہ قدیم دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ مرکز العلوم سونگڑہ میں اڑیسہ کے دو بزرگ عالم ربانیین کے "حیات و کارنامے کے موضوع" پر سیمینار میں شریک ہوں۔ اس سیمینار کے انعقاد سے اڑیسہ میں مدارس دینیہ اسلامیہ میں علمی مذاکرے کا آغاز ہوا، اور تاریخی اقدام کے لئے میں آپ تمام شرکاء، اراکین مدرسہ ہٰذا اور منتظمین کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

حضرت مولانا سید سراج الساجدین صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی ذات اڑیسہ میں دینی، ملی، سیاسی، اعتبار سے بھاری بھرکم شخصیت مانی جاتی تھی۔ مولانا موصوف قومی یکجہتی کے علمبردار، ہندو مسلم فرقہ وارانہ ہم آہنگی، گنگا جمنی تہذیب کی علامت تھے، مولانا موصوف میانہ قد، گندمی رنگ، خوش مزاج، بذلہ سنج، خوش پوش، بے باک حیثیت کے حامل تھے۔ ہمیشہ سفید لباس میں ملبوس نظر آتے تھے کیونکہ آپ کو سفید رنگ بے حد پسند تھا اور جنتیوں کا لباس بھی سفید رنگ کا ہی ہوگا۔

مولانا سیاسی طور پر کانگریسی نظریات کے حامل تھے، یہی وجہ ہے کہ پردیش کانگریس کمیٹی کے اہم رکن تھے اور وقف بورڈ آف اڑیسہ کے ممبر رہ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے ملی اداروں کے فعال رکن بھی تھے۔ ہمہ وقت ان کے دفتر مدرسہ مرکز العلوم سونگڑہ میں ہندو مسلمانوں کی اکثر بڑی بھیڑ دیکھنے کو ملتی تھی۔ جمعیۃ علماء اڑیسہ کے صدر، امیر شریعت اڑیسہ بھی تھے۔ اکثر و بیشتر قوم کے عائلی مسائل کا حل اور آپسی تنازعات کا فیصلہ صادر کرنے میں منہمک رہا کرتے تھے۔

مولانا موصوف بابائے اڑیسہ مناظر اسلام، صدر جمعیۃ علماء اڑیسہ، امیر شریعت اڑیسہ اور موسس و مہتمم مدرسہ مرکز العلوم سونگڑہ الحاج حضرت مولانا سید محمد اسمٰعیل صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ کے شاگرد رشید اور حقیقی جانشین تھے۔ آپ (مولانا ساجد) ایک اسلامک اسکالر اور کئی دینی مدارس کے سرپرست اعلیٰ بھی تھے۔ چھوٹے بڑے تمام علماء کرام کو اپنے ساتھ لے کر چلنے کا مزاج رکھتے تھے۔ زبردست تنظیمی صلاحیت کے مالک تھے۔ طبعاً نہایت خوش خلق اور مہمان نواز تھے۔

یوں تو سبھی جانتے ہیں کہ مولانا موصوف بے مثال خطیب و مقرر تھے۔ مناظر اسلام، قاطع بدعت و قادیانیت بھی تھے۔ اڑیسہ کے چپے چپے نیز بیرون اڑیسہ سیرت طیبہ کے موضوع پر آپ نے جتنی تقریریں کی ہیں اگر انہیں احاطہ تحریر میں لایا جاتا تو ہندوستان بھر کے علماء، وفضلاء، واعظین و مقررین کے لئے ایک نادر تحفہ سے کم نہ ہوتا مگر ایسا نہ ہو سکا یا مولانا موصوف نے اپنی حیات میں جتنے فتاوے تحریر فرمائے ہیں اگر انہیں بھی یکجا کر کے تدوین کی جاتی تو کئی جلدوں میں چھپ کر منصۂ شہود پر آجاتے مگر افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ آپ کو تحریر و تقریر دونوں صنفوں پر یکساں طور پر مہارت حاصل تھی۔ آپ پابندی سے جلسوں میں رونق افروز ہوا کرتے تھے۔ جہاں کہیں آپ کی تقریر کا پروگرام ہوتا لوگ یہ اعلان سن کر دور دراز دیہاتوں اور قصبوں سے جوق در جوق آ کر اُمڈ پڑتے تھے۔ بہر حال دنیا میں خطابت، دعوت و تبلیغ کا نہایت اہم اور موثر ذریعہ رہا ہے۔ دلکش اسلوب بیان سے مافی الضمیر کو ادا کرنا گویا داعی کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ خود انبیاء کرام علیہ السلام نے رشد و ہدایت کی تلقین موثر خطابت کے ذریعہ ہی انجام دی، اور لاکھوں گمراہ لوگوں کو صراط مستقیم پر لا کھڑا کیا۔

الغرض خطابت ہر زمانہ میں ایک مسلمہ موثر ذریعہ ابلاغ و تفہیم رہی ہے۔ مولانا موصوف سیرت طیبہ، دعوت حق اور اصلاح معاشرہ کے موضوع پر خطابت بے حد موثر طریقے سے پیش کرنے پر مہارت رکھتے تھے۔ سامعین پر اس کے مثبت اور خوشگوار اثرات مرتب ہوا کرتے تھے۔ کسی حکیم کا مقولہ ہے کہ "فصاحت زبان" "قوت بیان"، بے مثال حافظہ کی قوت، کامیاب اور موثر خطابت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ "قدرت نے ہمارے مولانا موصوف کو جہاں متنوع کمالات وصفات اور صلاحیتوں ...... سے نوازا تھا وہیں بے مثال قوت حافظہ کے ساتھ تقریر و بیان میں انہیں بدرجہ کمال عطا فرمایا تھا۔ سادہ الفاظ، برمحل تشبیہات، واضح جملے اور قرآن و حدیث سے بے شمار حوالے و دلائل اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو اس طرح پیش کرتے تھے کہ دین کی باتیں ہر کس و ناکس کے ذہن نشیں ہو جایا کرتی تھیں سامعین کی ہزاروں کی تعداد وہ تین گھنٹے سراپا گوش بنی رہتی تھی۔ مولانا موصوف خطابت کو منظوم اشعار گوئی کے ذریعہ بے حد دلکش اور پر لطف بنایا کرتے تھے نیز آپ کی تقریریں تاریخی واقعات، اصلاحی مگر حکیمانہ معانی و مطالب قرآن و حدیث کی روشنی میں معلومات کا بیش بہا خزانہ ہوا کرتی تھیں۔ موقع و محل اور موضوع کی مناسبت سے گفتگو کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ چند لمحوں میں ہی سامعین پر اس طرح چھا جاتے کہ مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ دماغ کے راستوں سے دل کے دروازوں تک جا پہنچے ہیں اور سامع کے ادراک کو دستک دے رہے ہیں۔ دنیا کی بے راہ روی سے رنجیدہ خاطر لوگوں کی رگوں میں خون کی سی حرارت و گرمی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہی وجہ اڑیسہ کے مسلمانوں کی دینی ذہن سازی، اسلامی ثقافت کی بقا کے لئے آپ کی ذات گرامی ناقابل فراموش ہے۔

علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں جو مولانا موصوف پر حرف بحرف صادق آتے ہیں۔

خاکی و نوری نہاد ، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی ، اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو ، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو ، پاک دل و پاک باز

اس کے علاوہ میں نے مولانا سراج الساجدین رحمۃ اللہ علیہ کی نعت گوئی کو اس لئے یہاں موضوع بنایا کہ یہ پہلو مولانا موصوف کا بہت سے لوگوں کے سامنے نہیں آیا ہے۔ کیونکہ آپ مشاعرے میں پابندی سے [illegible] شریک ہوتے تھے اور اسی مشاعرے میں نعت شریف پڑھا کرتے تھے اسی طرح اور کبھی کسی رسالے میں آپ کی نعتیں چھپی [illegible] آپ ہوئے۔ [illegible] کی ادبی حیثیت مسلّم ہے۔ علماء ادب عرب تعریف ادب میں یوں رطب اللسان ہیں کہ ادب ان تمام علوم معارف اور جملہ معلومات پر مشتمل ہے۔ جو انسان تعلیم اور تدریس کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، ان علوم میں صرف و نحو، علوم بلاغت و فلسفہ، نظم و نثر، اجتماعیات اور سیاسیات سب ہی علوم شامل ہیں۔ [illegible] ریاضیات اور دیگر صنفوں کو جاننا بھی ضروری گردانا ہے ان تمام علوم [illegible] کرنے میں انسان کی طاقت [illegible] حاصل ہوتا ہے [illegible] وحدہ لاشریک عطا ہوتی ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں ادب کے متعلق کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ "ادب سے مراد زبان کا نچوڑ اور اس کا خلاصہ ہے اور اسالیب عرب کے مطابق نظم و نثر میں ملکہ پیدا کرتا ہے۔ عرب جب کسی کی تحسین تعریف کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں ادب عربوں کی شاعری اور ان کی تاریخ اور اخبار و حفظ کرنے کے علاوہ ہر علم شرعیہ کے متون قرآن و حدیث کے علوم ہیں۔ اسی طرح حاجی خلیفہ اپنی کتاب "کشف الظنون" میں رقمطراز ہیں کہ "لفظ ادب ان تمام معلومات پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعہ عربی بولنے اور لکھنے میں ہر قسم کی خطا سے محفوظ رہا جاتا ہے" ادب کی تخلیق میں وہی ادب پارہ کے ضمن میں آتا ہے جس سے قاری کے جذبات و انفعالات کو ابھارنے اور بیدار کرنے کی صلاحیت ہو۔ یہ جب ہی ممکن ہے جب خیالات کا اظہار موزوں الفاظ کے ساتھ دلکش پیرایہ میں جہاں کیا گیا ہو۔ اسی لئے ادب کو "الجید من المنظوم والمنثور" نظم و نثر کا اعلیٰ ترین نمونہ کہا گیا ہے۔ نظم و نثر ادب کی وہ صنف ہے جس کو سن کر یا پڑھ کر انسان کے احساسات و جذبات میں ہیجان برپا ہو جائے اور فرط لذت سے مست اور بے خود ہو جائے یا شدت کرب و الم سے دل گرفتہ ہو جائے۔

مذکورہ بالا اقتباسات کے تناظر میں مولانا کی تحریریں خواہ وہ [illegible] ہوں یا ان کی تقریر اور نعتیہ اشعار، نظم و مرثیہ بھی ادبی سرمایے ہیں اور وہ اسلامی ادب کے دائرے میں بھی آتے ہیں جو مولانا ساجد کو ہمیشہ امر رکھیں گے۔

مطبوعہ اخبار مشرق، کلکتہ پہلی قسط یکم مارچ 2009ء

یہ بات ہی کہ کوئی الٹی ہونے کے [illegible]
[illegible] ہمارے لئے [illegible] خواب ہے [illegible] ہمارے [illegible] سے کہ
مطمئن ہو گئے [illegible] لئے کی بات [illegible] ہم
گھر والوں کی [illegible] بچے ہیں۔ اس کے بعد ہم دونوں نے
[illegible] کالی راتوں میں خاصا وقت گذارا۔ اور رخصت
ہوتے وقت دوست نے پوچھا کہ ہم اس
کے بعد کہاں جا رہے ہیں۔ ہم دونوں نے ان سے
پوچھا کہ وہ اس کے بعد کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟
کیونکہ ہم دونوں بھی یہ نہیں کہ ان کو کدھر جانا ہے۔
بھی وہاں [illegible] ہے۔ بس پچیس برس پہلے تک تو
ہمیں یہ پتہ تو کہ ہم [illegible] نہیں دیکھتے جا رہا ہے۔
ہمارے رہنما جدھر لے جانا چاہتے تھے ہم چلے جاتے
تھے۔ اب رہنما کو خود پتہ نہیں کہ وہ خود کدھر جا رہا ہے

گولی [illegible] کہ صحافی اپنے فرزند کو لے کر اپنے سامنے
مقدمہ کی تفصیلات سے آگاہ کر رہے ہیں۔
انہیں یہ پورا کرنے کے لئے [illegible] ہم آزادی کا [illegible] ہے کسی
بھی وقت [illegible] جا سکتا ہے۔ اس لئے مقدمہ کی ذمہ
داری اپنے بچے کو سونپ [illegible] کے بعد میں ڈال رہا ہے۔
ہم نے دل ہی دل میں سوچا کہ آپ ان کے بارے بچے
کی [illegible] کی باری ہے۔ مجھے اور [illegible] مجھے کی یہ مثال تو
ہمارے سامنے کی ہے۔ جو لوگ سرکاری دفتروں کے
اسرار و رموز سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہمارے
ان دفتروں میں فائلیں کھولی ہی اس لئے جاتی ہیں کہ
مقدموں کو الجھایا جائے۔ فائل ایک بار کھلتی ہے تو پھر بند
ہونے کا نام نہیں لیتی۔ ہمارے ایک اور دوست کا طلاق
کا مقدمہ پچھلے تیس برسوں سے عدالت میں زیر دوران

[illegible] ملک کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہو گئی ہے۔ اسمبلیاں [illegible]
ہیں اور ٹوٹ رہی ہیں۔ پہلے بڑی سیاسی پارٹیوں کی
اہمیت تھی اب وہ بھی جاتی رہی کیونکہ آزاد امیدوار
سیاسی پارٹیوں سے زیادہ اہم بنتے جا رہے ہیں۔ آپ کو
یاد ہوگا کہ ایک بار جھارکھنڈ اسمبلی میں وہاں کی
سرکار کا سارا دارومدار ایک آزاد امیدوار کے کندھوں پر
تھا اور آزاد امیدوار وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں کبھی
پیش قیاسی نہیں کی جا سکتی کہ وہ کب کدھر کو چلا جائے گا۔
اس لئے ملک کے شہریوں کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ یہ
جاننے میں اپنا وقت بالکل برباد نہ کریں کہ ملک کدھر
جا رہا ہے۔ البتہ یہ ضرور جاننے کی کوشش کریں کہ وہ خود
کدھر جا رہے ہیں۔

حضرت مولانا سراج الساجدینؒ خطابت اور نعت گوئی کے آئینے میں

مولانا محمد مسیح اللہ نازش، نائب صدر، جمعیۃ علماء اڑیسہ

(دوسری قسط)

نعت گوئی مسنون ہے: احادیث پاک کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نعت گوئی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرمایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام میں حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی نعت گو شاعر تھے۔ جنہیں حضور صلعم بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔ (۱) حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک منبر حضرت حسان کیلئے مخصوص رکھتے تھے۔ جس پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھا کرتے تھے۔ حضور حسانؓ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ اللہ حسان کی تائید جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ کرتا ہے۔ (۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعراء کو فرمایا کہ کفار قریش کی ہجو کرو کیونکہ ہجو ان پر تیر سے زیادہ سخت تر ثابت ہوگا۔ سرور دو عالم صلعم بھی فرمایا کرتے تھے کہ حسان نے کفار کی ہجو کر کے مسلمانوں کو شفا بخشی اور خود بھی شفا پائی۔ (رواہ مسلم) (۳) امام غزالی رحمۃ اللہ نے "احیاء العلوم" میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے۔ کانت عائشۃ رضی اللہ عنہا کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتناشدون عندہ الاشعار ویتبسم" (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے اشعار پڑھتے اور آپ مسکراتے رہتے۔ (۴) عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکلام حسنہ حسن وقبیحہ قبیح (یعنی اس میں سے اچھا کلام بہت اچھا اور برا کلام بہت برا ہے) (رواہ الشافعی عن عائشۃ) (رواہ عروۃ عن شافعی، دار قطنی)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ صنف شاعری کا ایک حصہ قابل تعریف ہے اور ایک حصہ قابل مذمت۔ علم الفقہ امام بخاری نے اپنی کتاب "جو الفصاحت" میں امام غزالی کی تصنیف "احیاء العلوم" کی متعلق بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے یہ نتیجہ پیش کیا ہے اور شعر کہنا جائز بلکہ مسنون ہے۔ مگر خلاف شرع اور واہیات، فحش، کفریہ مضامین اپنے اشعار کے ذریعہ پیش کرنا بالکل منع ہے اور قطعاً ناجائز ہے۔ ان حوالجات کی آگہی سے شاعری کو دو حصوں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ (۱) وہ شاعری جس میں عورتوں کے حسن و جمال کی تعریف، عریانیت، ہم جنسی، امرد پرستی وغیرہ جس سے ہیجانی کیفیت، خواہشات نفسانی، بد اخلاقی اور بے راہ روی کو بڑھاوا دینے والے تخیل سے آراستہ ہو جس میں عملی زندگی اور حقیقت سے ذرہ برابر ربط نہ ہو ایسی شاعری بالکلیہ ناجائز ہے۔ (۲) صحابہ کرام کی شاعری جس کو آقائے دو جہاں نے پسند فرمایا وہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعریف یا پھر اسلامی احکام اور اعلیٰ اخلاق تہذیبی پیغام کا آئینہ دار ہوا کرتی تھی۔ ایسی شاعری یقیناً مسنون ہے، جس کو رسول اللہ صلعم پسند فرمایا کرتے تھے۔ واقعی مولانا سراج الساجدین کی نعت گوئی سنت کی پرتو تھی عشق رسولؐ سے سرشار، دعوت عمل کا جذبہ سامعین میں بخوبی پیدا کرتی ہیں، جس کا اندازہ آگے مذکورہ مثالوں سے ہوگا۔

سماع: یہ عربی لفظ ہے، لغت میں اس کے معنی سننا، راگ سننا ہے، مگر اصطلاح میں مترنم و خوش الحان سے نعت پاک سننا مراد ہے جو سامع کو بے خود کر دے اور عشق رسول صلعم کی وجدانی کیفیت کا دل و دماغ پر طاری ہونا اور حلاوت ایمانی سے لطف اندوز ہونا۔

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جو سعادت مندی کی علامت اور عشق رسول کی دلیل ہے اور رسول اللہ کی عظمت و رسالت کا برملا اقرار ہے کہ جس کے صدقے میں رب العزت نے اس کائنات کی تخلیق کی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں نے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔ سماع تاریخ اسلام میں ہمیشہ بحث کا موضوع رہا ہے۔ مسلم حکمرانوں نے اپنے مذہبی عقائد کی روشنی میں کبھی محفل سماع کی اجازت دی یا پھر بے مسنون قرار دیا۔ حضرت نظام الدین سلطان الاولیاءؒ نے بھی سلاطین دہلی کے دربار کا منہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ محفل سماع پر اعتراضات کے حوالے سے سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں حاضر ہوئے اور سماع کے حق میں پرزور آواز بلند کی اور دلائل کی روشنی میں اسے جائز قرار دیا۔
بین الاسلامی مملکت میں محفل سماع کا دیرینہ رواج پایا جاتا ہے جو صوفی ازم کے زیر سایہ پروان چڑھ کر مختلف شکلوں میں ڈھل گیا ہے مگر علماء ہند کا بہت بڑا طبقہ سماع کو درست قرار نہیں دیتا۔

مولانا جلال الدین رومی (مصنف مثنوی شریف) کے یہاں رقص درویش و سماع کا رواج تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا رومی کہتے ہیں کہ تخلیق شدہ کائنات اور انسان کے بنائے ہوئے ساز کی آواز میں ہم آہنگی و مماثلت ہے بلکہ موزونیت پائی جاتی ہے۔ آلات موسیقی یعنی طبل، نے، دف، الغوزہ، ڈھول، طنبورہ، ترہی، ستار وغیرہ سے جو صدائیں بیرون سے درون انس جاتی ہیں وہ درونی رموز و اسرار کی لہروں میں حرکت پیدا کرتی ہیں اور کائناتی لہروں کو درونی لہروں سے آمیختہ کر کے ایک نیا آہنگ پیدا کرتی ہیں۔ گویا خارجی صوتیاتی نظام انسانی خوابیدہ لہروں کو ترنگ میں لاتی ہیں اور اس بات پر آمادہ کرتی ہیں کہ سوتے کا کام نالی سے، نالی کا کام نالے سے، نالے کا کام دریا سے اور دریا کا کام سمندر سے جا ملتا ہے اور یہی معراج زندگی ہے۔ سمندر میں فنا ہو جاتا ہے اور ہمیں وجدان یا عرفان حاصل ہوتا ہے۔ الغرض عشق رسول صلعم سے سرشار ہونے والوں کا انداز ہی کچھ نرالا ہوتا ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں

الٰہی ای چال چلتے ہیں دیوان کون عشق
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لئے

مولانا رومی کے نظریہ کو ایک شاعر نے اس طرح پیش کیا ہے۔

نہ صوفی ام نہ ملائی ام نہ من مسلم نہ ہندو
منم مدہوش الفت در خیال یار رقصم
شدم دیوانہ در عشق جناب ہادی کوثر
ہوائی جمال احمد مختار می رقصم

چنانچہ مولانا رومی کے خیال میں جہاں رقص و آہنگ ر

دل اور آنکھ دل سے گھائل ہو جاتے ہیں۔ صحت [illegible]
[illegible] پر مقام [illegible] ممکن [illegible]
احساس اور [illegible]
کرنے کی ضرورت ہے تاکہ [illegible] دکھائی دے۔

[illegible]

جلیل ڈاکٹر کرامت علی کرامت "نعت [illegible] اصل قصیدے کی ایک شکل ہے۔ یہ شکوہ الفاظ کا استعمال اور بلاغت کا اہتمام قصیدے کے حسن [illegible] کر دیتا ہے"۔

قصیدہ: عربی زبان کا لفظ ہے اس کے لغوی معنی "مغز" یعنی مغز اور گودے کے ہیں۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ قصیدہ لفظ "قصد" سے مشتق ہے جس کے معنی ارادہ کرنا۔ بہرحال اصطلاحاً اس سے مراد وہ صنف سخن ہے جس میں کسی کی تعریف مدح یا ہجو کی جائے۔ قصیدہ اپنی شکل کے لحاظ سے غزل سے ہم مشابہ ہے۔ یعنی قصیدے میں بھی قافیے ہوتے ہیں۔ غزل کی طرح صرف دوسرے مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے۔ پہلے میں نہیں لیکن قصیدے میں اتنی زیادتی ہوتی ہے کہ طویل نظم ہونے کے سبب سے درمیان میں فاصلے کئی کئی مطلع آ سکتے ہیں جبکہ غزل میں جتنے مطلع ہوتے ہیں سب کے سب دوسرے شروع غزل ہی میں ہوتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ شاعر کا تخلص غزل کے آخری شعر میں ہوتا ہے اور قصیدے میں قریب اختتام کہیں آ سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قصیدے کی چار قسمیں ہیں حالانکہ قصیدہ مدحیہ تمہیدیہ بھی کہے جاتے ہیں۔ (۱) تشبیب (حقیقیہ شاعری) (۲) گریز (جس کو تخلص اور رجوع بھی کہتے ہیں) یعنی تشبیب کہتے کہتے اصل مقصد (مدح) کی طرف رجوع کرنا (۳) مدعا (یعنی مدح) (۴) خاتمہ جس میں اکثر ممدوح کیلئے دعا کی جاتی ہے۔ بہر حال قصیدہ کسی عظیم الشان مقصد کیلئے لکھا جاتا ہے۔

اسی طرح نعت، لغت میں نعت (ج) مدح، ثنا، تعریف، توصیف مجازاً حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کو کہتے ہیں لیکن قصیدہ اور نعت میں فرق صرف اتنا ہے کہ نعت پاک رسول اللہ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کہی جاتی ہے، مدح و ثنا کی جاتی ہے۔ اس صنف میں ہجو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں ردیف و قافیہ بھی ہوتا ہے اور آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص پیش کرتا ہے اور طویل مسلسل بھی ہوتا ہے نظم بھی، مگر ادب میں جو مقام قصیدہ کو حاصل ہے وہ نعت پاک کو نہیں یہی وجہ ہے کہ قصیدہ تو ہر ادب کے نصاب تعلیم میں داخل ہے مگر نعت کسی مدارج کے سلیبس میں شامل نہیں حالانکہ اردو کا کوئی ایسا شاعر نہیں کہ جس نے نعت پاک نہ کہی ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ میرا مقصد ہے کہ نعت پاک کو بھی ادبی اعتبار سے اعلیٰ مقام حاصل ہونا چاہئے بلکہ اردو ادب کے ہر مدارج کے نصاب تعلیم میں شامل ہونا چاہئے۔ (جاری)

مطبوعہ اخبار مشرق کلکتہ، ۲ مارچ ۲۰۰۹ء، دوسری قسط

حضرت مولانا سراج الساجدینؒ خطابت اور نعت گوئی کے آئینے میں

مولانا محمد مصلح اللہ نازش، نائب صدر، جمعیۃ علماء اڑیسہ (تیسری قسط)

اردو ادب کا ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے میرے دل میں بہت دنوں سے یہ بات کھٹک رہی ہے۔ الغرض نعت و منقبت شاعری کا وہ موضوع ہے جس میں حضرت محمدؐ اور اکابرین اسلام کی تعریف و توصیف ہی بیان کی جاتی ہے۔ منقبت میں پنجتن اور اہل بیت و صحابہ کرام پیر و مرشد، پیغمبر علیہ اسلام، اسلامی تاریخی ہستیاں اور اسلامی عقائد و نظریات کا ذکر کیا جاتا ہے چونکہ ان موضوعات کا تعلق براہ راست اسلام سے ہے اس لئے اردو شاعری کے آغاز سے ہی یہ موضوع اردو شاعری میں داخل ہو گیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نعت نصاب تعلیم میں داخل نہیں کی جاتی؟ حالانکہ قدیم اردو کے شعراء میں محمد قلی قطب شاہ نے کہا ہے

سدا تو مدح علی اور نبی کہ کہتا ہے
معانی شعر میرا تو لکھے ہیں دست بدست
مومناں خوشیاں کرو ہے آج کا دن مولود کا
مرتضیٰ بارہ اماماں عہد ہے معبود کا

لیکن ایک عرصہ دراز تک ان موضوعات پر صرف مسلم شعراء ہی طبع آزمائی کرتے تھے جب صوفی مسلک نے لوگوں کو متاثر کیا اور لوگوں میں وسعت خیال، بلند نظری، اتحاد و محبت نے اثر دکھایا تو غیر مسلم شعراء بھی اس جانب متوجہ ہوئے انہوں نے بھی اکابرین اور بزرگان دین کی شان میں اشعار کہنا شروع کیا اور بہت جلد اپنا ایک خاص مقام پیدا کر لیا۔ ساد ھو رام آرزو کے دو نعتیہ شعر ملاحظہ ہوں

ہوئی ہے جب سے نسبت آرزو عشق محمدؐ سے
نہ پوچھو کس قدر لذت ملی مر مر کے جینے میں
مکان کیا لامکاں بھی آج تک جس سے معطر ہے
وہ بوئے زلف وحدت تھی محمدؐ کے پسینے میں

نعت یا منقبت گوئی دشوار راہ ہے، اس راستہ میں شاعر کو پرواز تخیل کی پوری آزادی نہیں ہے۔ یہاں مبالغہ کا بالکل دخل نہیں ہر قدم پر حقیقت سے کام لینا پڑتا ہے۔ اپنے ممدوح کی توصیف میں اتنی زیادہ عقیدت نہ دکھائی جائے کہ ان کو ذات واحد یعنی خداوند تعالیٰ سے ملا دیا جائے۔ نہ اتنی کم عقیدت مندی ہو جس سے ان کے مرتبہ میں ذرا بھی فرق آ جائے۔ شاعر کو اپنے ممدوح کے مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے زبان استعمال کرنی پڑتی ہے۔ یہ اس قدر نازک مسئلہ ہے کہ بہت سے شعراء لغزش کھا جاتے ہیں۔ الحمدللہ مولانا ساجد صاحب اس پر خطر وادی سے کامیابی سے نکل جاتے ہیں۔ ان کی نعت گوئی میں فرق مراتب اور توازن برقرار ہے جس کا اندازہ آپ کو آگے کی سطروں میں بخوبی ہو پائے گا۔ اس صنف سخن میں ایک خاص بات یہ ہے کہ انداز بیان اس قدر صاف ستھرا ہونا چاہئے جس سے موصوف کی شخصیت اور اوصاف کی صحیح عکاسی ہو۔ مولانا موصوف کے کلام میں یہ مذکورہ خوبی بھی پورے طور پر عیاں ہے

وہ فردوس اعلیٰ ہو عرش بریں ہو
مکاں لا مکاں ہو زماں وز میں ہو
وہ حور اور غلماں چناں و چنیں ہو
مگر سب سے اعلیٰ نبی کملی والا
میں باتیں انہیں کی بتانے چلا ہوں
میں نعت نبی گنگنانے چلا ہوں
میں ساجد جہاں کو جتانے چلا ہوں
وہ اعلیٰ ہیں ادنیٰ جہاں سے دوبالا
وہی حسن عالم ہے سب سے نرالا
بشر ہے مگر دو جہانوں سے بالا

ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنی کتاب اردو شاعری کا مزاج "میں ثنویت (Dualism) کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ قدیم ہندستان میں جب آریائی ثقافت، دراوڑی ثقافت سے متصادم ہوئی تو "گیت" کا مزاج بنا۔ بعد کے دور میں جب اسلامی تہذیب وثقافت ہندستانی تہذیب وثقافت سے متصادم ہوئی تو ہماری غزل کے مزاج کی تشکیل ہوئی۔ اس کے بعد جب انگریزی تہذیب ہندستانی معاشرے سے متصادم ہوئی تو صنف نظم معرض وجود میں آئی۔ لہٰذا مولانا ساجد صاحب ان معنوں میں تینوں تصادم کی نمائندگی کرتے ہیں تو انکی شاعری کا محور نعت، نظم اور مرثیہ رہا ہے۔ جس طرح پدم شری بیکل اتساہی نعت گوئی کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اسی طرح مولانا ساجد صاحب بھی نعت گوئی کو فوقیت دیتے ہیں۔ بیکل اتساہی نے اس امر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے۔ "نعت شاہ دیں سے مجھ کو عزت وعظمت ملی، میری شہرت یا میرا شعر و سخن کچھ بھی نہیں" مولانا موصوف نے بھی درج ذیل شعر میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح کیا ہے

نعت گوئی میں ساجد بڑا فیض ہے
نعت کے نور سے بھر کے سینہ چلیں
خدا رکھے دائم نبی کی محبت دلوں میں
یہی دولت دو جہاں ہے
جدھر ہو محبت خلوص و اطاعت
ادھر ابر رحمت کی برسات ہوگی

زمانہ قدیم سے لے کر اب تک اردو میں معروف اور غیر معروف شاعروں کی نعتوں کا ایک وافر ذخیرہ موجود ہے۔ نیاز فتح پوری نے اپنے رسالے "نگار" لکھنؤ میں گوپی چند نارنگ کے نام جگن ناتھ آزاد کا ایک خط شائع کیا تھا۔ جس میں آزاد صاحب نے بجا طور پر اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ اردو اور فارسی کے نعتیہ کلام کے نادر نمونوں کو جمع کیا جائے تو ہمارا انداز نقد و نظر ایک بالکل ہی نئے باب سے آشنا ہو" یوں تو زمانہ قدیم سے لیکر اب تک تقریباً مسلم و غیر مسلم تمام معتبر شعراء نے نعت گوئی میں اپنے تخلیقی جوہر دکھائے ہیں لیکن ہمارے نقادوں نے ابھی تک ان پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی اور ان کی صحیح قدر و قیمت متعین کرنے کی کوشش نہیں کی، سبب جو بھی ہو لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے نقادوں اور اسکالروں کیلئے اس سلسلے میں اب بھی ایک وسیع میدان موجود ہے جس پر خصوصی توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات دل میں یہ خیال آتا ہے کہ فارسی کے اس شعر سے بہتر کوئی شاعر نعت کیا کہیگا

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

لیکن ایسا سوچنا یقیناً بڑی بھول ہے۔ جس طرح میر، غالب، ذوق، داغ، مومن اور اقبال پر شاعری کے تمام امکانات ختم نہیں ہو جاتے بلکہ ہماری شعری روایت ایک ایسے سیل دریا کی مانند ہے جس میں مختلف جہتوں سے لہریں مختلف پیچ وخم سے گزرتی ہوئی چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی اور اپنے لئے الگ الگ راہیں بناتی ہوئی، آ کر ملتی ہیں، اور وقت کے بہاؤ کے ساتھ اس دریا کی روانی ہمیشہ آگے کی طرف جاری رہتی ہے۔ اسی طرح ہماری نعتیہ شاعری کی روایت کا دھارا بھی ہمارے معروف اور غیر معروف نعت گو شاعروں کے خون جگر کی شمولیت سے آگے کی سمت بڑھتا ہی رہے گا۔ چاہے اس کی رفتار کہیں تند و تیز ہو یا کہیں مدہم اور سبک رو، اس سیل رواں، کے رکنے کا سوال اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ اس میں حب نبی عشق رسول کی رنگت آمیزی جذبہ عقیدت کی عطر بیزی شامل ہوتی ہے۔ مولانا صاحب کا یہ شعر ملاحظہ ہو

شافع روز محشر ہے ذات آپؐ کی
شہد وامرت سے شیریں ہے بات آپ کی
مجھ کو لے چل خدا یا مدینے تک
رنگوں جس جگہ جن وانس وملک

علماء ادب نے اردو میں سرمایہ نعت کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) تشبیہات، استعارات، تلمیحات، علامات اور اعلیٰ شاعری کے دیگر لوازم کسی نعت میں موجود ہیں کہ نہیں۔ (۲) اس میں مندرجہ بالا خصوصیات قابل لحاظ حد تک موجود نہیں ہیں تو ہمارے عوامی گیتوں کی ضروریات کو یہ کہاں تک پورا کرتی ہیں۔ پہلے نمبر کو "ادبی نعتوں" کے نام سے دوسرے نمبر کو عوامی نعتوں کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ دونوں طرح کی نعتوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت مسلم ہے۔ جہاں "ادبی نعتوں" سے ہمارے ادب کو بے پناہ فائدہ پہنچتا ہے، وہی "عوامی نعتوں" سے ہمارے لوک گیتوں کے سرمایہ میں اضافہ ہوتا ہے۔

ماہرین انسانیات Anthopolo gist کے مطابق "بارہ ماسے" "مختلف تہواروں میں گائے جانے والے عوامی گیتوں، یا کھیتوں اور کھلیانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے گیتوں، یا کہاروں کے گیتوں کو لوک گیتوں کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اردو کا دامن لوک گیتوں سے بھرا پڑا ہے مثلاً مزاحوں کے گانوں، شادی خانہ آبادی کی تقریبات میں پڑھے جانے والے سہروں، قوالوں کی قوالیوں اور مولود میں پڑھی جانے والی نعتوں اور منقبتوں میں اردو کے لوک گیتوں کا سرمایہ بخوبی موجود ہے۔ لوک گیت کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کا تخلیق کار عموماً گمنام یا غیر معروف شاعر ہوتا ہے جو اپنے فطری تقاضے کی بنا پر سیدھے سادے معصوم جذبات کا اظہار کرتا ہے۔ اس کا کلام عوام کے دلوں میں گھر کر لیتا ہے اور ہر خاص وعام کی زبان پر جاری وزندہ رہتا ہے۔ ایسی "عوامی شاعری" کی اپنی ایک الگ اہمیت بھی ہوتی ہے اور اسے فنی اور ہیئتی نقطہ نظر سے پرکھنا مناسب نہ ہوگا۔ چونکہ ایسی شاعری گانے کیلئے مقصود ہوتی ہے اس لئے اوزان کی کمی بیشی تلافی ترنم کے ذریعہ ہو جاتی ہے۔ البتہ جس زبان کا لوک گیت ہو اس میں ردیف وقافیہ (یا کم از کم صرف ردیف) کی پابندی ضروری ہے۔

موج تسیم المعروف بہ کلام حلیم میں مولانا عبدالحلیم حلیم نے 14 سہرے قلمبند کیا ہے جو ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ اسی طرح قوالی اور منقبت بھی لوک گیتوں کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں۔

سہرا

ملاحظہ ہوں

ادھر لپکا کسی کی آبروئے خمار کا سہرا
اُدھر مہکا کسی کی زلف غیر بار کا سہرا
اسے مالی کے گندے ہاتھ سے کیسے گوندھ سکتے ہیں
یہ ہے وہ پاک دل کے وعدہ واقرار کا سہرا
نظر کہتی ہے یا روں کے اٹھا دے کوئی سہرے کو
حیا کہتی ہے مت چھونا مرے دلدار کا سہرا

قوالی

رخ یار پر اک نظر ڈالنے میں
قیامت کی زحمت اٹھائے ہوئے ہیں
ڈراتے ہو کیا اپنی پلکیں دکھا کر
ہم ایسے بہت تیر کھائے ہوئے ہیں
ہے شکر خدا اے حلیم اب تک ہم
حسینوں سے دامن بچائے ہوئے ہیں

....

بہت دل کو تڑپا رہی ہے کسی کی
جدائی جدائی جدائی جدائی
کبھی سن تو لو حال دل ہوں تمہارا
فدائی فدائی فدائی فدائی

منقبت

مجھے دنگ محبت سے سراپا رنگ دو شاہا
پیاسا ہوں پلا دو بادۂ عرفان بخاری شاہا

....

میں شیدا ہوں جس کا پتا دو وہ کیا ہے
وہ غوث الوریٰ ہے شہ اولیا ہے

(جاری)

مطبوعہ اخبار مشرق، کلکتہ ۳ مارچ ۲۰۰۹ء تیسری قسط

حضرت مولانا سراج الساجدینؒ خطابت اور نعت گوئی کے آئینے میں

مولانا محمد مصطفی اللہ نازش، نائب صدر، جمعیۃ علماء اڑیسہ

(چوتھی اور آخری قسط)

مولانا ساجد صاحب کی تخلیق "نوجوانان اسلام سے خطاب" اور "دھیرے دھیرے چلو" میں ان دونوں عنوان کو عوامی نعتوں سے تعبیر کرتا ہوں کہ ان میں لوک گیت کا پہلو نمایاں ہے۔ آج سماج میں جہیز رستا ہوا ناسور ہے یا تنگ سماج کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ کے مترادف ہے جس کو مولانا صاحب نے اپنی قوم کے نوجوانوں کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دے کر ان کی غیرت کو للکارا ہے۔ جہیز کا مطالبہ جو دین واسلام کا طریقہ نہیں بلکہ ہندوؤں کی رسم قبیح ہے اور مسلمانوں میں یہ رسم بد رواج ہے۔ اس کی اصلاح کی کوشش ہر ممکن وہ اپنے نعتیہ اشعار اور خطابت کے ذریعہ کیا کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو

تم ہی تھے بدر کے جنگ احد کے شہسواروں میں
تمہارا نام لکھا تھا فلک کے چاند تاروں میں
تم ہی نے دی اذاں دشت وجبل میں ریگزاروں میں
صحابہؓ کے بھی طرز و ادا کو کیوں بھلا بیٹھے
خدا کے واسطے مانگو نہ تم سسرال سے جوڑے
خدا کا قہر برسے گا پڑیں گے قبر میں کوڑے
یہ باراتی کا لیجانا شریعت میں نہیں جائز
زبردستی کا یہ کھانا شریعت میں نہیں جائز
خسر سے مانگ کر لانا شریعت میں نہیں جائز
پھنسے بدعات میں راہ ہدیٰ کو کیوں بھلا بیٹھے
(نوجوانان اسلام سے خطاب)

شادیوں میں یہ مانگنے کی منحوس رسمیں
جنہیں پورا کرنا بھلا کس کے بس میں
زمانہ ہے مدہوش گانجا، چرس میں
پتا پتر کا بیچے جیون کا نا
جانور تو نہیں ہے میرے نوجوان
تجھے بیچ ڈالیں تیرے باپ ماں
اٹھائے ہوئے چل تو سنت کا پرچم
شریعت کا جھنڈا نبوت کا پرچم
تو دین اور اسلام کا پاسباں
تیری جرأت و حوصلہ الاماں
بدل دے تو ہمت سے رسم جہاں
تیرا دل ہے وحدت کا ساجد خزینہ
(دھیرے دھیرے چلو)

جہاں تک ادبی نعتوں کا سوال ہے، اردو میں اس کی ایک عظیم روایت موجود ہے۔ موجودہ صدی میں جوش ملیح آبادی، عروج زیدی، عثمان عارف نقشبندی، علیم اختر، مظفر نگری، ساغر رام آرزو، ماجد دیوبندی، راز الہ آبادی، فدا ابن فیضی، احسن نعیم، بیکل اتساہی تک اور جگن ناتھ آزاد سے لے کر کرشن موہن، کالی داس گپتا رضا اور کرشن بہاری نور تک اسی طرح اڑیسہ میں امجد نجمی، مولانا برکت اللہ برکت، مولانا عبدالعلیم علیم، رفیق دوہ، کرامت علی کرامت، راشد نجم، ساجد اثر، سعید رحمانی، مولانا ساجد صاحب، خالد رحیم فیضی سمبلپوری، محبوب محشر، اجمل نقشبندی، اولاد رسول قدسی، شوکت رشیدی، نورالہی ناطق، نفیس حسن، منظر نفیس کے علاوہ اڑیسہ کے دیگر شعراء تک ہمیں "ادبی نعتوں" کی عمدہ مثالیں مل جاتی ہیں۔

نعتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں کی مدح سرائی کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں خاک مدینہ سے شاعر کے جذباتی لگاؤ، نیز آخرت میں سرور کائنات کی شفاعت کی والہانہ آرزو پائی جاتی ہے۔ حسن صورت کے تحت گیسوئے معنبر اور پسینہ معطر چہرۂ منورہ سے لیکر نعلین شریفین تک کا والہانہ ذکر ہوتا ہے۔ حسن سیرت کے تحت حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری، شفقت، صبر، قناعت، سخاوت جیسے اوصاف حمیدہ جلیلہ کا احاطہ کیا جاتا ہے۔ مولانا ساجد صاحب کے نعتیہ کلام میں بھی یہ تمام موضوعات اپنے تمام حسن وجمال وپاکیزہ خیالات اور حد ادب کے دائرے میں جلوہ فرما نظر آتے ہیں۔ مولانا سراج الساجدینؒ کی نعتیہ شاعری کی عکاسی مندرجہ ذیل چند شعروں سے ہوتی ہے

ہے کیا جوش کلام انداز واسلوب بیاں تیرا
ہے دنیائے ادب میں جاوداں نام ونشاں تیرا
مدح گوئے ہے لقب تیرا، لب ولہجہ ترا شیریں
زباں شیریں، بیاں شیریں، ہر انداز وادا شیریں
خدا پروردہ حلاوت آفریں جھرنوں کی شہنائی
ترنم آفریں نغمہ گری، زمزمہ خوانی
کثافت دور ہو جیسے گہربار آبشاروں سے
طہارت روح کو حاصل، تیرے پاکیزہ شعروں سے
دھڑکنیں اڑاتی ہے تجسیم مسیح اخلاقی
گل تر رقص کرتے ہیں، بہک اٹھتی ہیں شامیں بھی
عجوبہ خامۂ معجز رقم کی کار فرمائی
شبستاں میں تری شہباز فکر وذہن ہے ہمراہی
تری سحر گشتی میں زندگی کی حسن آرائی
انوکھا شعبدہ ہے ساحری ہے، خامہ فرسائی

مذکورہ بالا اشعار کے تناظر میں مولانا ساجد صاحب علیہ رحمہ کے نعتیہ کلام کا جائزہ لیا جائے۔ بڑے ہی اعلیٰ حسن پیرائے سے دو معجزے کا تذکرہ بھی کیا ہے یعنی ابو جہل کے ہاتھوں میں کنکریوں کی کلمہ خوانی اور شق قمر کو کس آسانی کے ساتھ نہایت سلیس ودلکش اسلوب میں پیش کیا ہے گویا نعت کو اسلامی تاریخ کا پیش خیمہ بنادیا ہے۔ موزوں ردیف، قافیہ کے استعمال سے ہر شعر خوب سے خوب تر نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بھی محبوب سبحانی پر ہمہ وقت درود وسلام بھیجا کرتے ہیں اور ہمیں بھی درود پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں نے اس نعت کو اپنی کتاب "جمالیات حج" میں شامل کیا ہے خود میں نے روضۂ اطہر کے پاس یہ نعت شریف پڑھی تھی اور مسجد نبویؐ میں لوگوں کے ہاتھوں میں "جمالیات حج" دیکھا تھا۔ بلاشبہ اس نعت کو میں ادبی نعتوں کے ذخیرہ میں اضافہ کا سبب قرار دیتا ہوں

باعث کن فکاں مونس انس و جاں
بے شمار آپ پر ہوں درود و سلام
آپ محبوب رب آپ ہیں سب کے سب
پھول جھڑنے لگے بات کرتے ہیں جب
سنگریزوں کو بو جہل کے ہاتھ میں
لے کے آیا تھا جن کے جو ساتھ میں
کر دیا آپ نے حکم سے کلمہ خواں
بار بار آپ پر ہوں درود وسلام
چاند بس اک اشارے سے شق ہوگیا
دیکھ کر چہرہ دشمن کا فق ہوگیا

جو بشر ہے مگر اس کا رتبہ دو جہانوں سے بالا ہے، بلاشبہ اس سے ان خیالات کی تردید ہوتی ہے جو آپ کی بشریت کے قائل نہیں ہیں اسی طرح "وہ ختم انبیاء بن کے آیا" اس حقیقت سے ان خیالات کی تردید ہوتی ہے جو آپ کو خاتم الانبیاء نہیں مانتے ایک کذاب کو نبی مانتے ہیں۔ آخر میں مولانا آپ کی توصیف کے بیان سے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اللہ جس کی توصیف خود بیان کرے بندے اس ذات کی نعت گوئی کی کہاں تک جرأت کر سکتے ہیں۔ لولو اور لالہ کا استعمال بے حد دلکش اور انوکھی تشبیہ ہے۔ یہ نعت بھی ادبی نعتوں کی فہرست میں بلاشبہ شامل ہے۔

وہی حسن عالم ہے سب سے نرالا
بشر ہے مگر دو جہانوں سے بالا
وہ ختم انبیاء بن کے آیا جہاں میں
نہیں اس کا ثانی زمیں و زماں میں
وہی ہادیٔ کل ہے کون و مکاں میں
حقیقت کا لولو ہدایت کا لالہ
توصیف بیاں ان کی انساں سے ہو نا ممکن
وصاف خدا خود ہے قرآں کے پاروں میں
دم نکلے تو یوں نکلے ہو لب پہ ثنا ان کی
مدفن ہو میرا ساجد گنبد کے کناروں میں

درج ذیل اشعار میں واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔ امام مرسلین کا معراج میں دیدار الٰہی اور امامت کیلئے پنج وقتہ نماز کا تحفہ لانا اور شفاعت کا پروانہ بھی حاصل کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی ذات اقدس کا کمال اتم ہے۔ کسی بھی نبی ورسل کو یہ اعزاز حاصل نہیں۔ مولانا نے ان اشعار میں نعت گوئی کا حق ادا کردیا ہے۔ اسلوب نگارش اور فن نعت کی جملہ خوبیوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور یہ ادبی نعتوں کی جملہ صفات کو محیط ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نعت دراصل قصیدے کی ایک شکل ہے گو قصیدہ کا ذکر آگے ہو چکا ہے اس تناظر میں مولانا کے ان اشعار کو ملاحظہ فرمائیں جو قصیدے کے تقاضے کو سو فی صد پورا کرتے ہیں جس سے اسلوب میں تازگی اور متانت درج ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ نعت اور قصیدہ دونوں صنف سخن آپس میں گڈمڈ ہوگئے ہیں

وہ امی لقب ہے مگر سب سے اعلیٰ
وہی تو ہے محبوب رب دو عالم
وہ مہر ہدایت نبوت کا خاتم
وہ تنویر گلشن ہے بلبل کا نالہ

ہر لالہ و گلشن میں پر کیف بہاروں میں
تنویر محمد ہے گردوں کے ستاروں میں
یہ مہر و مہ و انجم تو عکس تجلی میں
انوار صبح روئے زیبا جنت کے نظاروں میں
عطر وعنبر کی مہکار کیا چیز ہے
لے کے شاہ امم کا پسینہ چلیں

"سلام ہمارے آخری نبیؐ" اس نعت پاک میں مولانا ساجد نے مختلف علاقائی بولیوں مثلاً بھوجپوری، پوربی وغیرہ کے الفاظ کو نہایت ہی فطری انداز میں عشق رسول کا پیکر دے کر اردو کا دامن وسیع کیا ہے اور منفرد اسلوب کا مظاہرہ کیا ہے۔ ویسے بھوجپوری، اودھی اور پوربی وغیرہ الفاظ کی آمیزش ہر پچھڑی بیکل اتساہی کے کلام میں جا بجا چھلکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اس جداگانہ اسلوب کو "اتساہی شیلی" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس نعت کو لکھنے کے پیچھے ایک واقعہ یوں ہوا کہ ایک مقام پر جہاں چاندنی رات کو دوران سفر مولانا موصوف کی کار خراب ہوگئی چاندنی رات تھی ماحول میں بلا کی خوشی تھی۔ بے چارگی اور بے سہارگی کے عالم میں یہ کلام بحر قلم کیا۔

ان کے دوارے جیا مورا لاگا سلام
کہو بیس نبیو کے سامنا بجام
توہری خاطر ہو بھکاری بھوا ہے غلام
ڈگر ڈگر پر گھوم رہا ہے الفت کا یہ مارا
اپنی جاں کس سے کہے گا من کا یہ بنجارا
کدھر کو جائے کسے پکارے نہیں کا یہ بیرا
چھن چھن رہتا جھیل کنارے یاد مدان کی آئی
موند گئیں یہ نینا خود سے بیراکی بیرائی
باولا رہتا دھواں اٹھا نے چلا ہے یہ دیوانہ
رونے لگے جب دوارے تو ہرے تم اس کو بچانا
مرنے چلا ہے توہری نگریا بہت کا یہ دیوانہ
رستے میں دم توڑ رہا ہے زم زم یا پیمانہ
تھام کے ان کی سنہری جالی رو رو کر بتانا
تھکا پڑا ہے رستے میں ساجد جلائے جیوانہ

اڑیسہ میں نعت گوئی کے موضوع پر اب تک کوئی ایم فل یا پی ایچ ڈی کا مقالہ نہیں لکھا گیا ہے۔ جس کا بےحد افسوس ہے، حالانکہ اس موضوع پر ایک شاندار تحقیقی وعلمی مقالہ لکھا جاسکتا ہے، کیونکہ اڑیسہ میں نعت گو شعراء کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ ہندوستان کے دیگر علاقوں میں اس پر کام ہوا ہے۔ مثلاً تامل ناڈو کی مدراس یونیورسٹی کے شعبہ اردو سے "تامل ناڈو میں اردو نعتیہ شاعری، ابتداء سے 1980ء تک" کے موضوع پر نہایت ہی عمدہ اور تحقیقی مقالہ پیش کیا ہے۔ یہ مقالہ پی ایچ ڈی کے کامیاب مقالوں میں سے ایک ہے۔ اس مقالہ سے تامل ناڈو کے باکمال نعت گو شعراء کی نعتیہ شاعری پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

بہر حال مولانا سراج الساجدینؒ کی ذات اقدس ملی ودینی، سیاسی اور جماعتی نہج پر، نیز اڑیسہ میں مدارس دینیہ کے ارتقاء اور قومی ہم آہنگی ویکجہتی کیلئے ان کی خدمات ہمیشہ یاد کی جاتی رہیں گی۔ ان کے انتقال پر ملال پر قوم وملت کا کبھی نہ پر ہونے والا خلا وخسارہ رونما ہوا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مولانا موصوف کی یاد میں ایک فاؤنڈیشن یا اکاڈمی کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ ان کے مشن کو فروغ دے کر صحیح معنوں میں انہیں خراج عقیدت پیش کیا جاسکے۔ اس سیمینار کے انعقاد سے ان کی روح کو یقیناً تسکین حاصل ہوگی۔ جیسا کہ کسی نے کیا خوب کہا ہے

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

خیر اتنا تو ہوا ان کے بچوں، ہمدردوں اور اراکین مرکز العلوم سونگڑہ نے مولانا محمد اسمٰعیلؒ اور مولانا ساجدؒ ان دونوں بزرگوں کی یاد میں "نمائے مرکز" کے نام سے دوماہی رسالہ نکال کر انہیں بہترین خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کے بعد باطل کے مقابلے، نیز دین مصطفےٰ کے تحفظ کیلئے قلم کو ہتھیار بنایا ہے۔ کسی کا شعر نہایت موزوں ہے۔

روشنی چاند سے ہوتی ہے ستاروں سے نہیں
طاقت قلم میں ہوتی ہے تلواروں میں نہیں

زیر نظر مضمون میں مختصر طور پر ان کے کچھ کارناموں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ناکارہ کی یہ حقیر کوشش یقیناً سامعین وقارئین کے خراج تحسین کا باعث بنے گی۔ آخر میں، میں اپنی بات علامہ اقبال کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

آج لیکن ہم نوا سارا چمن ماتم میں ہے
شمع روشن بجھ گئی بزم سخن ماتم میں ہے

مطبوعہ اخبار مشرق، کلکتہ ۶ مارچ 2009 چوتھی قسط